ناظم اعلیٰ وفاق المدارس سے چند سوالات و جوابات

ضبط وترتیب: مولانا محبوب احمد
مدرس جامعہ مفتاح العلوم، سرگودھا

مولانا قاری محمد حنیف جالندھری کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، وہ ملتان کے شہرۂ آفاق دینی ادارے "جامعہ خیر المدارس" کے مہتمم اور دنیائے اسلام کی سب سے بڑی تعلیمی تنظیم "وفاق المدارس العربیہ پاکستان" کے جنرل سیکرٹری ہیں، مندرجہ ذیل انٹرویو میں انہوں نے اپنے ذاتی خاندانی حالات کے ساتھ ساتھ جامعہ خیر المدارس اور وفاق المدارس کا تعارف بھی تفصیل سے کرایا ہے، ان کا یہ انٹرویو ماہنامہ وفاق المدارس کے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

س: خاندانی، تعلیمی پس منظر پر کچھ روشنی ڈالیں۔

ج: میرا تعلق بحمد اللہ ایک علمی خاندان سے ہے، میرے جد امجد، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ صاحب برصغیر کے اجل علماء میں سے تھے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے اجل خلیفہ اور دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے، آپ استاذ العلماء تھے، آپ کا درس انتہائی مقبول اور عام فہم تھا جو "خیر الکلام ماقل ودل" کا حقیقی مصداق تھا، میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد شریف جالندھری صاحب دار العلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید تھے۔

ہمارے ددھیال ونھیال ضلع بہاولنگر چشتیاں کے قریب چک نمبر ۴۴ کے رہائشی تھے، دینی علمی خدمات کے لئے حضرت جد امجد رحمہ اللہ جالندھر چلے گئے اور وہاں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی سرپرستی میں خیر المدارس کے نام سے ایک معیاری درسگاہ قائم فرمائی۔

تقسیم ہند کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ اور حضرت جد امجد رحمہ اللہ کا مشترکہ پروگرام طے

ہوا کہ لاہور میں ایک دینی ادارہ کی داغ بیل ڈالی جائے، اسی اثناء میں فیصل آباد سے میرے جد امجد سے شدید اصرار ہوا کہ یہاں دینی کام کی ترویج وترقی کی انتہائی ضرورت ہے، چنانچہ حضرت جد امجد رحمہ اللہ فیصل آباد تشریف لائے۔

مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ فیصل آباد تشریف لائے اور میرے جد امجد رحمہ اللہ کو قائل کیا کہ یہاں کی بنسبت ملتان میں شرک وبدعت کے زور کی وجہ سے دینی تعلیم کے احیاء اور فروغ کی انتہائی ضرورت ہے، آپ مولانا جالندھری رحمہ اللہ کی ترغیب اور وہاں دینی کام کی ضرورت کے احساس دلانے کی وجہ سے ملتان تشریف لے آئے، یوں ہمارا علمی خاندان چشتیاں سے جالندھر، جالندھر سے لاہور، فیصل آباد سے ہوتا ہوا ملتان آپہنچا۔

میری پیدائش ۸/نومبر ۱۹۶۱ء کو ملتان میں ہوئی، میری ابتدائی تعلیم کا آغاز خاندانی معمول کے مطابق قرآن مجید سے ہوا، اس وقت میری عمر پانچ چھ سال کے لگ بھگ تھی، میرے حفظ کے استاد حافظ محبوب احمد صاحب ہیں جو اب بھی جامعہ خیر المدارس ملتان کے شعبہ تحفیظ القرآن کے استاذ ہیں، حفظ کے زمانے میں ایک دفعہ میری والدہ ماجدہ عصر کے بعد جد امجد رحمہ اللہ کے ہاں لے گئیں اور انہیں بتایا کہ اس نے دو پارے یاد کر لئے ہیں، تو دادا جیؒ نے مجھے سورہ مزمل کا دوسرا رکوع سنانے کے لئے فرمایا، میں نے بحمد للہ بغیر کسی غلطی کے پورا رکوع سنا دیا، انہوں نے مجھے ڈھیروں دعائیں دیں۔

قدرت کا اپنا نرالا تکوینی نظام ہے، میری عمر سات سال کے لگ بھگ ہی تھی کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد حضرت جد امجد رحمہ اللہ کی شفقتوں میں انتہائی اضافہ ہو گیا۔ لیکن قدرت کے نظام نے والدہ صاحبہ کے بعد جلد ہی نو سال کی عمر میں ۱۹۷۰ء کو دادا جان کا سایہ اٹھا لیا، جو انتہائی کڑی وسخت آزمائش تھی۔

حفظ کے بعد استاذ القراء، زینت القراء حضرت قاری المقری رحیم بخش صاحب پانی پتیؒ کے ہاں دو سال میں گردان مکمل کی، حضرت کی زندگی قرآن ہی کے لئے وقف تھی، وقت کے انتہائی پابند تھے روحانی رعب بہت زیادہ تھا اسی لئے آپ سے وحشت نہ تھی، صرف رعب تھا، جو تقویٰ کی وجہ سے اہل اللہ کو حاصل ہوتا ہے، آپ کے سامنے ہاتھ پر گھڑی باندھ کر جانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

گردان سے فراغت کے بعد فارسی اور اولیٰ کے سال جامعہ ہی میں پڑھے، والد صاحب رحمہ اللہ کی اجازت ومشورہ سے ثانیہ کے لئے اشاعت العلوم چشتیاں بہاولنگر چلا گیا، وہاں حضرت جد امجد رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبد العزیز رحمہ اللہ مہتمم تھے، قاری اہل اللہ صاحب ابن حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ بھی میرے ہمراہ

چشتیاں گئے تھے، اصل وہاں جانے کے بنیادی محرک ہی یہی تھے، وہاں ایک سال میں کئی تجربات وفوائد حاصل ہوئے، طالب علمی کی زندگی میں وہ سال انتہائی اہم رہا۔ ثالثہ والے سال جامعہ خیر المدارس ملتان واپسی ہوگئی، ثالثہ سے دورہ حدیث تک جامعہ ہی میں تعلیم حاصل کی۔ میرے کتب کے اساتذہ کرام، میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمہ اللہ، حضرت مولانا علامہ مولانا محمد شریف کشمیری رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی عبدالستار رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالمجیدؒ صاحب ساہیوال والے جو ابھی ایک ماہ قبل انتقال فرما گئے، حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحبؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم ہیں۔ حق جل مجدہٗ ان تمام حضرات کو اپنی شایان شان بہتر سے بہتر جزائے خیر نصیب فرمائیں جن کی توجہات اور دعاؤں سے حق تعالیٰ نے اس ناکارہ کو دینی خدمت سے زندگی بھر وابستہ کیے رکھا۔

س: عملی زندگی کا آغاز اور جامعہ خیر المدارس کا اہتمام کب اور کیسے سنبھالا؟

ج: بندہ نے شعبان ۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۹۸۱ء میں دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، ساتھ ہی مدینہ یونیورسٹی جانے کے لئے پروگرام بنا اور اس کے لئے کوششیں بھی شروع کر دیں، اسی سال رمضان المبارک میں والد صاحب کی درخواست حج منظور ہوگئی۔

میں نے شوال ۱۴۰۱ھ میں درجہ تکمیل پڑھنا شروع کیا، جس میں، حمد اللہ، صدرا، ملا حسن اور میبذی وغیرہ کتب شامل تھیں۔ حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیری رحمہ اللہ جامع المعقول والمنقول تھے، شعبہ تکمیل کے سربراہ تھے، ان سے استفادہ کے لئے طلبہ دور سے کشاں کشاں آتے تھے۔ میرے لئے حضرت نے تجویز فرمایا کہ ابھی تکمیل کا سال پڑھو، بعد میں دیکھا جائے گا، میرے لئے حضرت کی خصوصی شفقت کی وجہ سے ایک یہ شرط بھی عائد تھی کہ فرمایا ''ملا حسن'' جب میں نے اپنے استاذ صاحب سے پڑھی تھی تو سبق زبانی سناتا تھا، اب آپ سے بھی ایسا ہی معاملہ ہوگا، چنانچہ میں بھی اسی طرح سناتا رہا، آخری سبق پر مکمل کتاب زبانی سنائی۔

تکمیل کے سال کے آغاز ہی میں ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ کو مکہ مکرمہ میں والد صاحب کا انتقال ہوگیا۔ میں اس دن فیصل آباد، مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کی کوشش کے سلسلہ میں آیا ہوا تھا۔ میرے ساتھ مولانا مفتی عبدالقوی صاحب بھی تھے۔ میری ایک ہمشیرہ فیصل آباد جامعہ ملیہ اسلامیہ میں رہتی ہیں، انہی کے ہاں میرا قیام تھا۔ انہوں نے ملتان جانے کا کہا۔ میرے بہنوئی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، ہمشیرہ اور میرے ساتھی مولانا مفتی عبدالقوی صاحب، ہم سب بذریعہ کار ملتان کے لئے روانہ ہوئے۔ لیکن ملتان واپسی تک انہوں نے مجھے کوئی اطلاع نہیں دی، ملتان جا

کر مجھے والد صاحب کی رحلت کا علم ہوا۔ میرے لئے قیامت کی گھڑیاں تھیں، والدہ صاحبہ، دادا جان کی رفاقت کے بعد والد صاحب کے اچانک انتقال سے طبیعت پر غیر معمولی اثر ہوا، لیکن حضرت اساتذہ و اکابر کی شفقت و محبت نے اس خلا کو پر کئے رکھا۔ والد صاحب کی وفات کے بعد سب سے پہلے میں حضرت کشمیری صاحب رحمہ اللہ کے پاس آیا، انہوں نے مجھے سینہ سے لگایا پیار کیا تسلی دی اور فرمایا کہ اب تمہیں جامعہ خیر المدارس کا مہتمم بنانا ہے۔ یہ سن کر واللہ! میرے پاؤں تلے زمین نکل گئی، کہ یہ حضرت کیا فرما رہے ہیں اور یہ کیسے ممکن ہوگا؟ میں نے حضرت کشمیری صاحب رحمہ اللہ سے عرض کیا حضرت اس سانحہ وصدمہ میں آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ ہر قسم کی عافیت وحفاظت فرمائیں۔

والد صاحب کی وفات کے چند روز بعد جامعہ خیر المدارس ہی میں تعزیتی جلسہ ہوا، صدارت حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز حاجی محمد شریف صاحبؒ فرما رہے تھے۔ بڑے بڑے اکابر تشریف لائے، پہلی دفعہ اس جلسہ میں مجھے تقریر کا موقع ملا، میں نے اپنے درد و غم کا اظہار کیا، عوام وخواص سب نے میری گفتگو کو انتہائی محبت و توجہ سے سماعت فرمایا اور دادِ تحسین بخشی۔

۳ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۲/ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو جامعہ ہی میں مہتمم کے انتخاب کے لئے مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا، ملک بھر سے جید علماء کرام تشریف لائے، جن میں کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت مولانا حاجی محمد شریف صاحبؒ	۲۔ حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیریؒ
۳۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب (مہتمم اشرفیہ، لاہور)	۴۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب (ملتان)
۵۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ (ملتان)	۶۔ حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحبؒ
۷۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	۸۔ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذیؒ
۹۔ ڈاکٹر عبدالمجید صاحب (ملتان)	۱۰۔ صوفی بشیر محمد صاحبؒ
۱۱۔ منشی عبدالرحمٰن صاحبؒ	۱۲۔ ملک عبدالغفور صاحب انوریؒ
۱۳۔ حاجی شمشاد علی صاحبؒ	۱۴۔ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب
۱۵۔ مولانا محمد حنیف سلمہٗ	۱۶۔ الحاج امیر الدین صاحبؒ

حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ نے مجلس شوریٰ کے نام ارسال کردہ خطوط میں ''اہتمام'' کے لیے احقر کا نام تجویز فرمایا۔

اہتمام کے لئے میرا نام متفقہ طور پر پیش ہوا، حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تعزیتی جلسہ میں اس کی تقریر سُن کر میں نے اسی روز فیصلہ کرلیا تھا کہ انہیں مہتمم بنانا ہے۔ بہرحال اکابر نے باتفاق رائے مجھے مہتمم بنانے کا فیصلہ کیا۔

یہ چیز میرے وہم وگمان سے بھی بلند بالا تھی، تھوڑی دیر بعد مجلس میں مجھے بلایا گیا، تمام اکابر مجھے دیکھ کر کھڑے ہوگئے، میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے، اکابر نے فرمایا آپ کے لئے جامعہ کے مہتمم ہونے کا فیصلہ ہوگیا ہے لہٰذا اجلاس کی بقیہ کاروائی آپ کی صدارت میں ہوگی۔ یہ اصاغر نوازی اور ناچیز پر اعتماد کی نایاب مثال تھی، باقی کارروائی میں جامعہ کے دیگر معاملات طے ہوئے، حضرت اقدس حاجی محمد شریف صاحبؒ کو جو حضرت تھانویؒ کے فیض یافتہ اور بیعت کے لئے اجازت یافتہ تھے، جامعہ کا سرپرست مقرر کیا تھا۔ حضرتؒ ضعف ونقاہت کے باوجود ہفتہ میں ایک بار جامعہ میں ضرور تشریف لاتے، جامعہ کے انتظامی معاملات حضرت رحمہ اللہ کی مشاورت ہی سے طے ہوتے تھے۔

مجلس شوریٰ کے اجلاس کا فیصلہ سننے کے لئے طلبہ، اساتذہ اور قرب وجوار کے علماء، ومذہبی کارکن دارالحدیث میں سراپا منتظر تھے فیصلہ سنانے کے لئے حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کو منتخب کیا گیا۔ حضرت نے اپنے بیان میں فرمایا کہ فیصلہ کے تین طریقے ہیں:

ا۔ فیصلہ کثرت سے ہو، اختلاف موجود ہو۔

۲۔ فیصلہ اتفاق رائے سے ہو لیکن پہلے اختلاف ہو، بحث وتمحیص کے بعد سب قائل ہوجائیں۔

۳۔ فیصلہ توارُد سے ہو جس میں کوئی اختلاف نہ ہو۔

آج جامعہ خیر المدارس ملتان کے اہتمام کے لئے مولانا محمد حنیف جالندھری کے حق میں فیصلہ تیسرے طریقے کے مطابق ہوا ہے۔ ان کے اساتذہ واکابرین کی موجودگی میں ان کے حق میں یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پھر حضرت نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور محمد بن قاسمؒ کی مثالیں دیں جو نوعمری میں سپہ سالار بنے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی مثال دی جو کم عمری میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم بنے۔ حضرت مولانا علامہ محمد شریف صاحب کشمیریؒ نے بھی بیان فرماا اور اپنے بیان میں نعرے لگوائے۔

عمِ محترم حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ نے اپنے ہاتھ میرے سر پر رکھ کر تائید فرمائی، حضرت مولانا محمد صدیق صاحب نے جو اس وقت جامعہ کے ناظم تھے، میری بھرپور تائید کا اعلان فرمایا۔ حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تائید فرمائی۔ میرا اہتمام، میرے اساتذہ واکابر کی توجہ

وخلوص اور سرپرستی کا مرہون منت ہے۔ قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی۔ ہر طرح سے مجھے سنبھالا، اللہ انہیں بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا فرمائے۔

اب پہلے سال میں درجہ تکمیل کا متعلم بھی تھا۔ پھر معلم اور مہتمم بھی بن گیا۔ اسباق کی تقسیم حضرت کشمیری صاحب، حضرت مفتی عبدالستار صاحب رحمہم اللہ اور حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم فرماتے تھے۔ مجھے حضرت کشمیریؒ نے فرمایا کہ تم اب مہتمم ہو، صحیح بخاری سمیت جو سبق چاہتے ہو لے لو لیکن میری رائے اور خواہش یہ ہے کہ تم پختہ اور مضبوط عالم بنو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تم تحتانی اسباق سے تدریجاً فوقانی درجات کے اسباق کی طرف جاؤ، ہر فن کی کتاب کم از کم تین سال پڑھاؤ۔ میں نے عرض کیا آپ میرے استاد، مربی اور والد ہیں آپ جو تجویز فرمائیں اسے سرمایہ اعزاز اور ترقی کا زینہ سمجھوں گا۔ بحمدللہ اب تک یہی معمول ہے کہ میرے اسباق اساتذہ ہی تجویز کرتے ہیں۔

میری سرپرستی اور جامعہ کی ترقی کے لئے حضرت قاری رحیم بخش پانی پتیؒ، حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیریؒ، حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہم اللہ اور حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم نے بڑی دستگیری فرمائی، ان کے ذکر سے باقی حضرات کے کردار واخلاص کی نفی مقصود نہیں۔ الحمد اللہ جامعہ کو اللہ نے ہر دور میں اخلاص ومحبت کے خوگر اساتذہ ومعاونین عطا فرمائے۔ ان چار حضرات کی غیر معمولی شفقت کی وجہ سے بالتخصیص نام لیا۔

حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ کا انتہائی رعب تھا۔ ان کی تواضع کا کیا ٹھکانہ! بندہ کی طرف پیغام بھیجتے کہ مہتمم صاحب کب فارغ ہوں گے۔ مجھے آپ سے ملنا ہے۔ میں پیغام پہنچتے ہی خود حاضر ہو جاتا، حضرت اپنی نشست پر مجھے بٹھاتے۔ میں شرم کے مارے آب آب ہوتا، عرض کرتا، حضرت! یوں نہ کیا کریں، ایسے پیغام نہ بھیجیں بلکہ آپ حکم دیا کریں بندہ حاضر ہوگا۔ حضرت فرماتے کہ اگر ہم آپ کی عزت نہ کریں تو اور کون کرے گا؟ اسی طرح حضرت کشمیریؒ کی عجیب عنایات تھیں ایک دفعہ ایک استاد صاحب کا جامعہ کی ضرورت کے لئے ایک مکان سے دوسرے مکان میں تبادلہ کی ضرورت تھی۔ ان استاد صاحب کو اس میں تامل تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نماز ظہر کے بعد دفتر میں چائے پیتے تھے میں نے ان کی خدمت میں حاضری دی اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ حضرت نے فوراً ہی انہیں جو غالباً حضرت کے شاگردوں میں سے تھے بلوا کر فرمایا۔ بھائی! یہ ہم سب کا مہتمم ہے، اس کا حکم ہم سب کے لئے واجب التعمیل ہے جس پر انہوں نے فوراً مکان تبدیل فرمالیا۔ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم میرے والد صاحب کے حیات ہی میں جامعہ کے ناظم تھے۔ حضرت انتظامی معاملات میں انتہائی وسیع تجربہ رکھتے

تھے۔ انہیں میری نوعمری اور نا تجربہ کاری کی وجہ سے میرے اہتمام کے حوالے سے ابتداء میں تامل تھا۔ لیکن حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ ساہیوال والوں نے انہیں یقین دلایا کہ یہ آپ کے مشورہ سے چلے گا۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ عرصہ تک انتظامی معاملات میں رفاقت رہی۔ کبھی اختلاف رائے کی نوبت بھی نہ آئی۔ میرے اہتمام کے پہلے سال جامعہ کا سالانہ جلسہ ہوا مجھے بھی سند فراغت ملی۔ میں نے اپنی سند پر خود دستخط کیے شاید یہ ایک منفرد مثال ہو کہ مہتمم نے اپنی سند پر خود دستخط کیے ہوں۔

س: آپ کے دورِ اہتمام میں جامعہ کی ترقی کیسی رہی؟

ج: جامعہ خیر المدارس ملتان کا اہتمام میرے لئے چیلنج تھا اس لئے کہ جو ادارہ 1931ء کو جالندھر میں بنا اور 1947ء کو ملتان میں اس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی اور یہ پاکستان کا منفرد ادارہ تھا کہ جس میں پہلے سال ہی درس نظام کے تمام درجات کی تعلیم و تدریس ہوئی ہو تو جس ادارہ کی خدمات نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہوں اس کا اہتمام بہر حال ایک چیلنج تھا۔ ایک تو میری عمر کم تھی اور دوسرا اکثر امیرے اکابر واساتذہ موجود تھے۔ بعض اوقات اپنے ہم عصر ماتحت افراد کے ساتھ انتظامی معاملات میں نبھا کرنا مشکل ہو جاتا ہے چہ جائیکہ اپنے اکابر واساتذہ کا ہر قسم کا ادب ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جامعہ کو چلانا ایک پُر کٹھن موڑ تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کے فضل و کرم اور حضرات اکابر اساتذہ کرام کی سرپرستی و رہنمائی کی بدولت آسان ہو گیا۔ بعض لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے دور میں جامعہ نے غیر معمولی ترقی کیسے کی ہے تو میں اس کا جواب دیا کرتا ہوں۔

''اس میں اللہ کا خاص فضل و کرم، اکابرین واساتذہ کی دعائیں، سرپرستی اور بالخصوص ہمارے اساتذہ کرام کا اخلاص کارفرما رہا ہے۔''

مختصر الفاظ میں تمام ارباب اہتمام کے لئے ترقی کا راز عرض کئے دیتا ہوں کہ بڑوں کو بڑا ماننا اور ان کے مشوروں پر چلنا ہر قسم کی خیر و فلاح کا سبب ہے، میں نے اپنے اہتمام میں ذاتی اختیارات و رائے کی بجائے اکابرین واساتذہ کی رائے کو مقدم رکھا، ہمیشہ کسی بھی معاملہ کو میں نے انفرادی طور پر حل نہیں کیا۔ میں نے ہر معاملہ اپنے اکابر کے سامنے رکھا اور اپنی رائے بھی عرض کی انہوں نے جو فیصلہ کیا اسے دل و جان سے تسلیم کیا اور اسے ہی بہتری اور ترقی کا راز سمجھا۔ جامعہ کی میرے دور میں جو ترقی ہوئی میں اسے ظاہری ترقی کا نام دوں گا۔ کیونکہ حقیقی و باطنی ترقی اکابر سے وابستہ تھی۔ جو دنیا سے تشریف لے گئے۔ وہ اخلاص وللّٰہیت اور تقویٰ کے پیکر و خوگر تھے۔ البتہ ظاہراً ہم اسے پانی دیتے رہے اور اسے پھل لگتا رہا۔

پہلا کام یہ ہوا کہ جامعہ کی زمین کا بڑا حصہ وقف املاک تھا۔ جو جامعہ کو بطور کرایہ کے ملا تھا وہ ہندو پراپرٹی تھی، ملتان کا سب سے بڑا مندر یہاں تھا کرایہ دار ہونے کی وجہ سے عمارت میں کسی قسم کی تبدیلی ناممکن تھی جب کہ طلباء کی کثرت اور جامعہ کی دیگر ضروریات کے پیش نظر نئی عمارت کی اشد ضرورت تھی اس جگہ کے مالکانہ حقوق حاصل کرنے کے لئے انتہائی تگ ودو کی گئی۔ صدر پاکستان ضیاء الحق مرحوم سے کئی بار رابطہ ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف خیر المدارس کو بلکہ دیگر مختلف مکاتب فکر کے اداروں کو بھی جن کے پاس متروکہ وقف املاک تھی، مالکانہ حقوق مل گئے۔ اس معاملے کے حل ہونے سے جامعہ کو مزید تعمیری استحکام ملا، پرانی عمارتیں گرا کر نئی بنائی گئیں حال و مستقبل کی ضروریات کے مطابق تبدیلیاں عمل میں آئیں۔ یہ سب سے پہلا کام تھا۔ جس میں بحمد للہ کروڑوں کی جائیداد مفت میں مل گئی۔

دوسرا ماہنامہ ''الخیر'' کا اجراء ہے۔ اس کا بنیادی ہدف اسلامی علوم کی ترویج واشاعت اور اسلامی شعائر اور اقدار کا تحفظ ہے، وقت ضرورت کے پیش نظر حجیت حدیث اور رفقہ حنفی کی عظمت اجاگر کرنے کی سعی کی۔ آج یہ رسالہ الحمد للہ ملک کے معیاری، مستند مذہبی رسائل میں شمار ہوتا ہے۔ عوام وخواص میں یکساں مقبول ہے۔

حضرت جدامجد رحمہ اللہ بیک وقت مہتمم، مدرس، محدث، فقیہ اور مفتی تھے۔ اس لئے تیسرا کام یہ کیا کہ حضرت جدامجد رحمہ اللہ کے زمانہ میں جو فتاویٰ جات تحریر کیے گئے، ان کا باقاعدہ ریکارڈ محفوظ تھا۔ اسی طرح جامعہ کے ہر دور میں محقق ونابغہ عصر مفتیان کرام کی سرپرستی میں جو فتاویٰ جات تحریر کئے گئے۔ ان کو ترتیب وتبویب کے ساتھ ''خیر الفتاویٰ'' کے نام سے شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ الحمد للہ اب تک پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور ہر دارالافتاء کی میز پر ''خیر الفتاویٰ'' موجود ہے، ابھی مزید جلدوں پر کام جاری ہے:

اسی طرح جامعہ کی شاخیں اور برانچیں پھیلائی گئیں۔ ملتان میں دو شاخیں اہم چیلنج کا درجہ رکھتی ہیں:

۱......ادارہ خیر المعارف ۲......الخیر پبلک اسکول

ادارہ خیر المعارف نیو شالیمار کالونی بوسن، روڈ ملتان میں قائم ہوا۔ اس کی تعمیر سے لے کر موجودہ تعلیمی شعبوں کا اجراء فقیر کے دور میں ہوا۔ اس میں تقریباً دوسو کے لگ بھگ طلباء زیر تعلیم ہیں۔ پرائمری سے فراغت پر انہیں قرآن مجید حفظ کرایا جاتا ہے۔ میٹرک کرائی جاتی ہے۔ اور انہیں ادارہ میں معیاری اسلامی ذہن وماحول دیا جاتا ہے۔ دوسرا ادارہ الخیر پبلک اسکول ہے اس کا مقصد نئی نسل کو جدید مغربی ثقافتی یلغار سے بچانا تھا۔ کیونکہ جدید تعلیمی اداروں میں مغربی افکار فلسفہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جس سے مسلمانوں کی جدید نسل زندیقیت کی وادی میں غیر شعوری طور پر

جارہی ہے۔اس کی روک تھام کے لئے الخیر پبلک اسکول کا اجراء کیا گیا۔آج اس کی کئی شاخیں بن چکی ہیں۔سات، آٹھ سو کے لگ بھگ طلباء زیر تعلیم ہیں۔اسی طرح جامعہ کی طرف میرے اہتمام کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد طلباء کا رجحان بڑھا۔میرے اہتمام کے پہلے سال جامعہ میں ساڑھے تین سو مسافر طلبہ تھے۔آج الحمدللہ سترہ سو کے لگ بھگ مسافر طلبہ ہیں۔پہلے سالانہ اخراجات پانچ چھ لاکھ ماہانہ تھے آج تعمیرات کے علاوہ بیس لاکھ روپے ماہانہ ہیں۔الحمدللہ نیا دار الاقامہ بنا، کئی شاخیں بھی بنیں۔لاہور میں نئی شاخ کا افتتاح ہوا۔اس کی تعمیر پر پانچ کروڑ خرچ ہو چکے ہیں پُرشکوہ عمارت ہے۔اس میں بھی کئی تعلیمی شعبے جاری کرنے کا ارادہ ہے، یہ کام بھی بحمدللہ فقیر کے دور میں ہوا۔جامعہ میں میرے دورِ اہتمام میں کئی عالمی وبین الاقوامی سطح کے اجتماعات منعقد ہوئے۔اور عالمی وملکی سطح کی شخصیات بھی تشریف لائیں۔جن میں امام کعبہ، امام مسجد نبوی، عالمی شہرت یافتہ قاری عبدالباسط مرحوم وغیرہ بطور خاص ہیں۔بہرحال اسی طرح جامعہ کی تصنیف وتبلیغ، تدریس، تعمیرات وغیرہ میں الحمدللہ کافی ترقی کی۔

اسی طرح شعبہ حفظ وقرأت نے بھی نمایاں ترقی کی۔جامعہ کے شعبہ بنات میں ڈیڑھ ہزار طالبات زیر تعلیم ہیں۔یہ شعبہ غیر رہائشی ہے۔

س: دورِ اہتمام کی مشکلات کے بارے میں کیا فرمائیں گے؟

ج: اہتمام ''ھم'' سے ہے جس کا معنی غم ہے۔جس کے مادہ میں غم ہے اس میں راحت مشکل ہوتی ہے۔مختلف مشکلات آتی ہیں، کافی عرصہ سے جبر واستبداد کا جو سلسلہ جاری ہے اس سے بڑے مدارس زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔مالی مشکلات بھی آئیں ہیں لیکن بحمدللہ کوئی ایسی مشکل نہیں آئی جس کا اکابر کے مشورہ سے حل تلاش نہ کر لیا گیا ہو۔

س: جامعہ کا مزاج ومذاق کیا ہے، اور فضلاءِ جامعہ کو آپ کیا پیغام دینگے؟

ج: جامعہ خیر المدارس خالصتاً نظریاتی ادارہ ہے، اکابرین دار العلوم دیوبند کے مسلک ومزاج کا امین ہے، اعتدال ہماری پہچان ہے، حکمت وبصیرت اور دینی تصلب واستقامت سے دین اسلام کی تبلیغ وترویج ہماری ذمہ داریوں میں شامل ہے اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کی سرکوبی کے لئے جدوجہد ہمارا نصب العین ہے اکابر کے طرز وانداز میں اپنی جدوجہد کی سمت متعین کرنا کامیابی کی نوید ہے طلباء کے لئے۔

طالبعلمی زمانہ میں حضرت جدامجدؒ غیر نصابی سرگرمیوں کے سخت خلاف تھے۔تنظیمی وابستگی اور اس کی مہم جوئی کا حصہ تعلیمی ترقی کے لئے سم قاتل ہے طالبعلمی زمانہ میں صرف طالبعلم ہو، فراغت کے بعد جس شعبہ میں جائے گا، قدر افزائی ہوگی۔

جامعہ کے فضلاء کے لئے نصیحت کے میں قابل ہی نہیں۔ اتنا عرض کروں گا کہ جامعہ ئے مزاج ومذاق کے حفاظت کرتے ہوئے دین اسلام کی تعلیم وتبلیغ میں اپنی عمریں کھپادیں اوران کے لیے یہ صدقہ جاریہ ہوگا۔ اتباع سنت ہمارا شیوہ رہے۔اس کا بطور خاص خیال رکھیں۔ کسی نہ کسی اللہ والے سے اصلاحی تعلق رکھیں۔اور کسی علمی مشغلہ سے اپنا تعلق ضرور رکھیں۔

س: وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے کب وابستگی ہوئی؟ ناظم اعلیٰ بننے سے پہلے کن عہدوں پر فائز رہے۔ وفاق المدارس العربیہ میں خدمات کا مرحلہ وار جائزہ ارشاد فرمائیں۔

ج: یہ بڑا اہم سوال ہے اس میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی اہم تاریخ سموئی جاسکتی ہے۔اسے بعد میں ان شاءاللہ میں مرتب کر کے بھجواؤں گا۔سردست اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

فقیر ۱۹۸۱ء میں مجلس عاملہ کا رکن بنا۔وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا قیام ۱۹۵۷ء کو عمل میں آیا تھا۔اس کے پہلے صدر حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ اور ناظم اعلیٰ مولانا مفتی محمود صاحبؒ تھے، بعد میں میرے جدامجد حضرت مولانا خیر محمد جالندھری صاحبؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی صاحبؒ بالترتیب صدر الوفاق کے عہدے پر فائز رہے۔نظماء اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار صاحب رحمہ اللہ بالترتیب رہے۔بندہ ۸ جون ۱۹۸۹ء سے ۲۸ فروری ۱۹۹۸ء تک وفاق کے نائب صدر کے عہدے پر فائز رہا۔اور پھر یکم مارچ ۱۹۹۸ء سے تاحال فقیر ناظم اعلیٰ ہے۔وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے موجودہ صدر شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم نے میری خوب تربیت کی، ہر موڑ پر میری رہنمائی فرمائی۔حضرت جب ناظم اعلیٰ تھے تو بندہ نے ان کی رہنمائی میں وفاق کے لئے انتھک جدوجہد کی۔پہلے امتحان سینکڑوں کی تعداد میں ہوتا تھا اور خاص درجہ بندی کا انتظام نہیں تھا۔اب الحمدللہ لاکھوں کی تعداد میں طلباء وطالبات باقاعدہ درجہ بندی کے اعتبار سے امتحان دیتے ہیں، حضرت کی جہدِ مسلسل اور مخلص قیادت نے وفاق المدارس کو استحکام بخشا اور بندہ کی کوششوں سے بحمدللہ وفاق کے کام کو دوام ملا۔درمیان میں تیز آندھیاں اور مصیبتیں بھی آئیں لیکن پاؤں نہیں ڈگمگائے۔ہمت وعزم جواں رکھے۔دینی مدارس برسوں میں بالعموم اور نائن الیون ولندن بم دھماکوں کے بعد بالخصوص عالمی ایجنڈے پر آگئے، دہشت گردی، قتل وغارت اور فرقہ واریت کی ہر واردات کو دینی مدارس سے نتھی کرنے کی کوشش کی گئی۔

مدارس کی رجسٹریشن، غیر ملکی طلباء کا مسئلہ، دینی مدارس کی کردار کشی، مدارس کے نظام تعلیم ونصاب کو متنازعہ بنانا جیسے مسائل کھڑے کر دیئے گئے۔ان تمام کے لئے ہم نے سوچا کہ موجودہ دور تنہائی کا نہیں۔دوسرے مکاتب فکر کو بھی ساتھ لے کر چلنے کی ضرورت ہے، دینی مدارس کا تحفظ جیسے وسیع تر قومی مفاد کے مسئلہ پر ہم نے دیگر مکاتب فکر کے وفاقوں کا اتحاد ''اتحاد تنظیمات مدارس'' کے نام سے تشکیل دیا۔جس سے مدارس کا موقف مضبوط ہو کر مختلف عالمی وملکی فورموں پر پیش کیا گیا۔

س: غیر ملکی طلبہ حکومتی پالیسی کے بارے آپ کیا فرمائیں گے؟

ج: غیر ملکی طلبہ کے لئے حکومتی ویزا پالیسی سمجھ سے بالاتر ہے کہ پوری دنیا میں اس طرح کی سیاہ ترین اور شرمناک مثال کہیں بھی نہیں ملتی کہ جنہوں نے اغیار کی خوشنودی کی خاطر دوسرے ممالک کے طلبہ پر اپنے ملک میں تعلیم کے حصول پر پابندی عائد کی ہو، حتیٰ کہ ۱۱/ستمبر کو امریکہ اور پھر ۷ جولائی کو برطانیہ میں ہونے والے بم دھماکوں، جن کو بنیاد بناتے ہوئے مدارس کے خلاف کارروائی کی، کے نتیجے میں ان ممالک نے بھی ان طلبہ پر اپنے ہاں کوئی پابندی عائد نہیں کی جو ان کی تحقیقات کے مطابق ان حادثات میں ملوث رہے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ زندہ اور آزاد قومیں ایسا کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔چہ جائیکہ اس کو ملکی پالیسی کا حصہ بنادیا جائے۔اور یہ اس لئے کہ تعلیم کے حصول پر کوئی جغرافیائی حدود مانع نہیں ہوا کرتیں،اس پر بلاتفریق سب کا حق مساوی تسلیم کیا جاتا ہے۔لیکن حکومت پاکستان مدارس کے طلبہ کو یہ حق دینے پر آمادہ نہیں۔عجیب بات تو یہ ہے کہ حکومت نے دینی مدارس میں پڑھائی کے لئے آنے والے طلبہ پر تو اپنے ملک کے دروازے بند کر دیئے ہیں جو کہ ہمیشہ اپنے اپنے ممالک میں جا کر پاکستانی سفارت کاری کا کام مفت سرانجام دیتے ہیں اور بیرون ملک وطن عزیز کے مفادات کا ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں۔لیکن پڑوسی ملک کے تاجروں کہ اداکاروں اور فنکاروں تک کو آمدورفت کی کھلی اجازت دی ہے۔جو ہمیشہ پاکستان کے اندر مختلف قسم کی سرگرمیوں کی آڑ میں تخریب کاری اور اس کے مفادات کو نقصان پہنچانے والے کاموں میں ملوث رہے ہیں۔جس کی سینکڑوں مثالیں ریکارڈ پر ہیں۔علاوہ ازیں عدل کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس طرح عصری تعلیمی اداروں میں بیرونی طلبہ کی تعلیم پر کوئی روک ٹوک نہیں اسی طرح مدارس پر بھی ایسی کوئی پابندی نہیں ہونی چاہئے تاکہ حکومت کی نیک نامی پر کسی قسم کا شک نہ کیا جائے۔دوسری جانب طرفہ تماشہ یہ کہ حکومت ایک طرف مدارس کو قومی دھارے میں لانے کی بات کرتی ہے اور دوسری جانب طلبہ کے لئے حصول تعلیم کے دروازے بند کئے جارہے ہیں۔کیا مدارس کے بارے میں ایسا معاندانہ امتیازی سلوک روا رکھنا حکومت کے وقار اور اس کے قومی دھارے والی

پالیسی کے خلاف نہیں؟اور اس کے دوغلے پن کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے؟

غیر ملکی طلبہ کے معاملہ میں سابقہ حکومت سے یہ طے ہوگیا تھا کہ بیرون ممالک کے جو طلبہ پاکستان کے دینی مدارس میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں انہیں اپنی تعلیم مکمل کرنے کی اجازت ہوگی، نئے غیر ملکی آنے والے طلبہ کا معاملہ چل رہا تھا لیکن موجودہ حکومت نے طے شدہ معاملات کو ازسرنو چھیڑنا شروع کر دیا ہے، تعلیم حاصل کرنے والے غیر ملکی طلبہ کو واپس بھجوایا جارہا ہے، یہ سراسر ظلم ہے، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مرکزی مجلس عاملہ کے حالیہ اجلاس میں بھی اس موضوع پر بحث کی گئی اور یہی طے پایا کہ طے شدہ معاملات کو ازسرنو چھیڑنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، نئے معاملات طے کرنے کے لئے مذاکرات کیئے جائیں گے۔

س: مدارس میں مکمل عصری علوم کیوں نہیں پڑھائے جاتے؟

ج: تقریباً تمام دانشور، صحافی اور صاحب اقتدار لوگ یہ سوال پوچھتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آج تخصص کا دور ہے، ہر تعلیمی ادارہ اپنے اہداف اور مقاصد کو سامنے رکھ کر نصاب مرتب کرتا ہے۔ اور یہ بات ہر صاحب علم اور صاحب عقل کی سمجھ میں آسانی سے آجاتی ہے۔ آج تک کسی نے نہیں کہا کہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے نکلنے والا ڈاکٹر عالم کیوں نہیں؟ زرعی انسٹیٹیوٹ سے فارغ ہونے والا طالب علم ڈاکٹر کیوں نہیں؟ یہ انتہائی واضح اور آسانی سے سمجھ میں آجانے والی بات ہے کہ آج کے دور میں ایک آدمی بمشکل کسی ایک فیلڈ میں ہی ماہر ہوسکتا ہے مگر جب بات ہوتی ہے مدارس کی تو نہ جانے باشعور اور جہاں دیدہ قسم کے لوگ بھی جذبات کی رو میں کیوں بہہ جاتے ہیں اور ایک اعتراض کی شکل میں پورے شد ومد کے ساتھ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ آج مدارس سے ڈاکٹر، انجینئر اور سائنس دان کیوں نہیں پیدا ہو رہے ہے اور گویا کہ مدارس صرف دینی تعلیم دے کر کسی جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ میں دنیاوی اداروں میں اعلیٰ تعلیم کی بات نہیں کر رہا کیونکہ وہاں تو اپنی فیلڈ کی تعلیم دینا بالکل واضح ہے میں پاکستان کے پرائمری، مڈل اور ہائی اسکولوں کی بات کرتا ہوں، کیا ان اسکولوں میں پڑھنے والے مسلمان بچوں کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ اس قدر دینی تعلیم دی جارہی ہے جو ان کی دینی ضروریات کو پورا کر رہی ہو، ارباب دانش خود اس بات کا مشاہدہ کرلیں کہ ایک بچہ جسے انگریزی میں ہفتے کے دنوں کے نام سال کے مہینوں کے نام اور مختلف پرندوں اور جانوروں کے نام اور زبانی انگریزی نظمیں یاد کروائی گئی ہیں کیا اس بچے کو پانچ کلمے، نماز کے فرائض اور وضو کے فرائض بھی یاد ہیں؟ کیا اسکول میں اسے نورانی قاعدہ پڑھانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ نصاب دیکھ لیں، خود معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے اسلامی ملک میں ہمارے مسلمان بچوں کے ساتھ کیا ظلم ہو رہا ہے انہیں اچھا مسلمان بنانے کے لئے نصاب میں کس قدر

اہتمام کیا گیا ہے؟ پاکستان کے تمام ہائی اسکولوں میں آرٹس اور سائنس کے علیحدہ علیحدہ گروپس ہیں، طلباء اپنی اپنی دلچسپی کے مطابق گروپ کا انتخاب کرتے ہیں اور یہ سہولت انہیں نظام تعلیم میں مہیا کی گئی ہے اب وہ طالب علم صرف عصری علوم پڑھ رہا ہے اور اس کے پاس زیادہ وقت ہے اسے کیوں نہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ سائنس پڑھے، ایف ایس سی میں اور زیادہ گروپس ہیں یعنی آرٹس، پری میڈیکل انجینئرنگ، اب اس طالبعلم نے پری میڈیکل کرلیا ہے اسے کوئی طعنہ نہیں دیتا کہ تم ریاضی کیوں نہیں پڑھتے۔ کالج والوں اور وزرات تعلیم کو بھی کوئی نہیں کہتا کہ اس طالب علم کو بیالوجی، فزکس اور کیمسٹری کے ساتھ ریاضی بھی پڑھائی جائے، کہتے ہیں اس نے ڈاکٹر بننا ہے اسے مزید ریاضی پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح پری انجینئرنگ کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ چونکہ اس نے انجینئرنگ میں جانا ہے اس لئے اس کو بیالوجی مزید پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ مدارس کو سائنس یا مکمل عصری علوم دینے کا مشورہ دینے والے حقائق کو سمجھیں اور ایک ہی وقت میں مختلف قسم کے طرز عمل کا مظاہرہ نہ کریں۔

س: سانحہ لال مسجد کے اسباب و نتائج اور موجودہ حکومتی پالیسی پر وفاق المدارس العربیہ کے موقف کی ذرا وضاحت فرمادیں۔

ج: سانحہ لال مسجد جامعہ حفصہ ہماری ملکی، قومی اور سیاسی تاریخ کا ایک شرمناک اور ظلم و بربریت کا المناک واقعہ ہے، جس کے ہماری ملکی، ملی اور مذہبی ساکھ پر انتہائی گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں اور نہ جانے کب اور کیسے یہ زخم مندمل ہوں۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی قیادت نے پہلے دن سے ہی بصیرت و حکمت کے ساتھ دونوں فریقوں سے واضح اور دوٹوک موقف کا اظہار کیا۔ ارباب اقتدار سے مساجد کے شہید کرنے اور دھمکی آمیز لہجہ اختیار کرنے پر بھرپور احتجاج کیا۔ ایک شہید شدہ مسجد کی تعمیر کا دوبارہ افتتاح کروایا اور آئندہ ایسی پالیسی سے اجتناب کے لئے زور دیا، اس کے لئے علماء کی ایک کمیٹی بھی بنی، دوسری جانب لال مسجد و جامعہ حفصہ کے ارباب اہتمام سے اکابرین وفاق نے کہا کہ آپ کے مطالبات پوری پاکستانی مسلم قوم کے مطالبات ہیں لیکن ان کے منوانے کے لئے اختیار کیا گیا طریقہ کار کسی حادثہ سے دوچار کرسکتا ہے۔ تو معاملہ چلتا رہا، کوئی تیسرا ہاتھ حکومت و لال مسجد والے حضرات کے درمیان مذاکرات کی کامیابی میں رکاوٹ رہا۔

اکابرین وفاق نے ایک جانب حکومت پر مذاکرات کے لئے اور عدم تشدد کے لئے زور دیا اور دوسری جانب مولانا عبدالعزیز صاحب اور غازی عبدالرشید شہید سے بھی بار بار ملاقاتیں ہوئیں اور حالات کی نزاکت سے آگاہ کیا۔

آپریشن کے دنوں میں اکابرین وفاق کے حکومت سے مذکرات اور آخر وقت تک کی سرتوڑ کوششیں پوری دنیا کے

سامنے ہیں، مقدرات اٹل ہوتے ہیں، لیکن صرف شخصِ واحد کی انانیت اور ہٹ دھرمی سے تاریخی قومی سانحہ ہوا۔ اس پر پوری قوم خون کے آنسو روئی اور روتی رہے گی۔ اس کا عدل وحساب دنیا میں نہ سہی، احکم الحاکمین کی عدالت میں ضرور ہوگا۔ سانحہ کے بعد سازشوں کے جال بچھائے گئے، اصاغر کو اکابر کے مقابل لا کھڑا کیا گیا، جو ہاتھ ظالموں کے گریبان پکڑتے وہ اپنے اکابر کی ڈاڑھیاں نوچنے لگے۔ الزامات، پروپیگنڈے، بہتان بازی کے طوفان کھڑے کیے گئے، لیکن اکابر کے خلوص، محنت اور تعلق مع اللہ سے سب کچھ ختم ہوگیا، اس کی تمام تفصیلات میڈیا، اخبارات، رسائل میں آچکی ہیں، انہیں دُہرانے کی ضرورت نہیں۔ موجودہ حالات میں جامعہ فریدیہ کی بحالی، جامعہ حفصہ کی دوبارہ اسی جگہ تعمیر اور مولانا عبدالعزیز کی رہائی اہم معاملات ہیں۔ اس کے لئے ہم بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ ۶ جولائی کے جلسہ میں جامعہ حفصہ کی جگہ خیمے لگا کر تعلیم کا آغاز کردیا گیا۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

دینی مدارس کی آزادی وبقاء اور خودمختاری ہماری اولین ترجیح ہے۔ پاکستان اکابر علماءِ حق کی قربانیوں سے ہمیں ملا ہے، یہ اسلام کا قلعہ ہے، ان شاء اللہ اسلام پاکستان کا مقدر ہے۔ اس میں دیر ہوسکتی ہے اندھیر نہیں۔

ہماری موجودہ پالیسی بھی یہی ہے کہ ہم ٹکراؤ اور تصادم پر یقین نہیں رکھتے، مذاکرات کے ذریعے کھلے دماغ سے ایک دوسرے کی بات چیت سنی جائے۔ بیرونی دباؤ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہمارے مؤقف کو بھی سنا جائے۔ دینی مدارس کا ایک ایک بچہ پاکستان کا مخلص وفادار ہے، ہم پاکستان کے چپہ چپہ کو مسجد کی طرح مقدس سمجھتے ہیں۔ دینی مدارس میں آنے والے غیر ملکی طلبہ اپنے ملکوں میں جا کر پاکستان کی مفت سفارت کرتے تھے۔ ہماری درس گاہیں حبُ الوطنی اور حبِ اسلام کا درس دیتی ہیں۔ الزامات محض الزامات ہوتے ہیں، کاش میڈیا کبھی ہم سے حقائق بھی سُنے اور انہیں بھی دنیا کے سامنے رکھے، اس لئے ہماری موجودہ پالیسی یہی ہے کہ حکومت کو مذکورہ بالا تین مطالبات کی منظوری کے لئے مجبور کیا جائے اور دوسرا دینی مدارس کے متعلقہ ہر مسئلہ کو گفت وشنید اور مذاکرات کے ذریعے حل کیا جائے۔

☆☆☆